زندگی کا مقصد اور دینی رہنمائی

زینب واسع ○

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر ذکر کیا ہے کہ اس نے انسان کو آزمائے جانے کے لیے پیدا کیا۔ چنانچہ سورۂ ملک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جس نے موت اور زندگی اس لیے پیدا کی تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے عمل میں زیادہ بہتر کون ہے'' (الملک ۶۷:۳)۔ اسی طرح سورۂ انعام آیت ۱۶۵، سورۂ ہود آیت ۷، سورہ کہف آیت ۷، اور دیگر سورتوں میں بھی اس بات کو دوہرایا گیا ہے۔ لیکن آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہ سمجھ لیں کہ آزمایشوں کا مقصد کیا ہے؟

● **آزمایشوں کی حقیقت:** دنیا میں آگے بڑھنے کے لیے ہم بے شمار امتحان دیتے ہیں، اس لیے کہ امتحانات دیے بغیر کبھی بھی ترقی نہیں ہوسکتی۔ کوئی بھی اسکول ایسے بچے کو قبول نہیں کرے گا جس کے والدین یہ شرط لگائیں کہ یہ بہت لاڈلا ہے، لہٰذا اس کا امتحان مت لیجیے گا۔ پس، ہر قابل قدر چیز کی طرح جنت کی بھی ایک قیمت ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ کا سودا مہنگا سودا ہے۔ سن لو، بے شک اللہ کا سودا جنت ہے'' (ترمذی)۔ اگر اسکول والے امتحان نہ لیں تو ہم پریشان ہوجاتے ہیں، لیکن اگر اللہ کی طرف سے امتحان آجائے تو انسان کبھی سوچتا ہے کہ کیا میں ہی رہ گیا تھا؟ ہم اللہ سے آسان امتحان مانگتے ہیں، لیکن جنت کی قیمت چکانے کے لیے امتحان ہوگا ضرور۔

امتحان کے ذریعے ہی کھوٹے اور کھرے کا فرق پتا چلتا ہے۔ ایک صحابیؓ جن کو کافروں نے ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا ہوا تھا۔ کافر چلّا کر پوچھتے کہ کہاں ہے تمھارا رب؟ وہ تمھیں کیوں نہیں بچاتا؟ وہ جواب دیتے تھے کہ جب تم مٹکا بھی خریدتے ہو تو اس کو بجا کر دیکھتے ہو کہ یہ مضبوط ہے

○ کراچی

یا کھوکھلا۔ میرا رب بھی مجھے آزمارہا ہے کہ میں جنت کے قابل ہوں یا نہیں؟

اس امتحان میں ممتحن اللہ تعالیٰ ہیں اور اسی نے امتحان کی کتاب (textbook) یعنی قرآن کریم ہمارے لیے اتارا ہے۔ بلاشبہہ تلاوتِ قرآن پر بھی اجر ہے، لیکن قرآن دراصل عمل کی کتاب ہے: ''یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے ایک برکت والی کتاب۔ پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو، بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے'' (انعام ۶:۱۵۵)۔ اگر اس کو سمجھ کر اس کو اپنے عمل میں ڈھالا جائے تو دنیا اور آخرت کے مراحل خیر اور آسانی سے طے ہو پائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معلّم ہیں۔ آپؐ نے بھی فرمایا: ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں'' (ابن ماجہ)۔ اسی لیے آپؐ قرآن کی زندہ مثال تھے (بخاری)۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے محبت کرنا تو ہمارے ایمان کا حصّہ ہے، لیکن جب تک آپؐ سے سیکھ کر ان کے نقش قدم پر نہ چلا جائے تو امتحان کا پرچہ صحیح حل نہیں ہو پائے گا: ''جو کچھ رسولؐ تمھیں دے وہ لے لو، اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رُک جاؤ''۔ (الحشر ۵۹:۷)

امتحان کس چیز کا ہے؟ گھروں اور گاڑیوں کا؟ بہترین گریڈوں اور نمبروں کا؟ نہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ کون بہترین عمل کرنے والا ہے؟ (الملک ۶۷:۲)۔ نیک اعمال ہی آخرت کی کرنسی ہیں اور اسی کے لیے ہماری تگ و دو ہونی چاہیے: ''پس تم نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو'' (البقرہ ۲:۱۴۸)۔

نتیجہ کب آئے گا؟ نتیجہ آخرت میں آئے گا: ''کامیاب دراصل وہ ہے جو آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنّت میں داخل کر دیا جائے'' (اٰل عمرٰن ۳:۱۸۵)۔ جیسے بئر معونہ کے واقعہ میں ایک شخص نے حضرت حرام بن ملحانؓ کو پیچھے سے نیزہ مار کر شہید کیا۔ جب انھوں نے اپنے سینے سے نیزے کی نوک نکلتی دیکھی تو پکار اٹھے: ''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا!'' (بخاری)۔ قاتل یہ بات سن کر حیرت میں ڈوب گیا کہ میں نے اس کو قتل کیا اور اس نے کہا کہ میں کامیاب ہوگیا؟ پھر جب اس کو پتا چلا کہ اسلام میں کامیابی اور ناکامی کے تصورات نے آخرت کی وسعتوں کو سمیٹا ہوا ہے اور وہ محض اس دنیاے فانی تک محدود نہیں ہیں، تو اس نے رب العالمین کے آگے اپنا سر جھکا لیا اور مشرف بہ اسلام ہوا۔

یہ دنیا کمرۂ امتحان ہے: ''جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے، اِس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے'' (الکہف ۱۸:۷)۔ امتحان کے ختم ہونے کے ساتھ یہ سب بھی ختم ہوجائے گا: ''آخرکار اس سب کو ہم ایک چٹیل میدان بنادینے والے ہیں'' (الکہف ۱۸:۸)۔ اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ ہمارے پرچے اور اسباب امتحان ہیں، بہن بھائی سے لے کر گاڑی اور گھر تک: ''تمھارے مال اور تمھاری اولاد تو ایک آزمایش ہیں'' (التغابن ۶۴:۱۵)۔ ان پرچوں کو ہم نے بحسن وخوبی ادا کرکے اپنا مقصد، یعنی رضاے الٰہی اور جنت حاصل کرنا ہے نہ کہ انھی کو اپنا مقصد بنائیں۔

دنیا کے امتحانات میں ہر تھوڑی دیر بعد ایک نئی نسل (batch) آتی ہے اور اس کا اَز سرِ نو امتحان لیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو عرب میں ارتداد کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف سے مشکلات نے گھیر لیا۔ انسان سوچ سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا غم ہی اتنا بڑا تھا، اس کے باوجود اتنی زیادہ مشکلات کیوں؟ دراصل صحابہؓ تو مختلف آزمایشوں سے گزر کر اعلیٰ درجات حاصل کرچکے تھے۔ لیکن اب مسلمانوں کی ایک نئی کھیپ آگئی تھی اور ان کا امتحان بھی ضروری تھا (جب کہ، صحابہؓ مزید بلند درجات حاصل کرتے گئے)۔

پچھلے امتحانات (past papers) سے بھی سیکھا جاتا ہے، اس لیے کہ سوال اور طرزِ سوال دُہرائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ابراہیمؑ اور نمرود، موسیٰؑ اور فرعون کے قصے ہمیں اتنی مرتبہ اسی لیے سنائے ہیں کیونکہ ہم ہر دور میں ان سے ملتے جلتے کرداروں کو پائیں گے۔

واقعات دُہرانے کا یہی مقصد ہے کہ ہم ان کرداروں کی پہچان، ان کے انجام سے واقفیت، نیکوکاروں سے حوصلہ اور بدکاروں سے عبرت کے اسباق حاصل کریں۔

جن لوگ نے اس زندگی کو آزمایش جان کر گزارا ان کی بلندیاں ہی اور تھیں۔ اگر یہ ایک تصور درست ہوجائے تو سوچ اور عمل کی بہت ساری کجیاں دور ہوجاتی ہیں۔ آج دنیا میں مسلمانوں کے جو حالات ہیں، اللہ چاہے تو ایک لمحے میں ان کو درست کرسکتا ہے۔ لیکن دراصل وہ ہمیں آزما رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ حق اور باطل کی کش مکش میں ہم میں سے کون اپنا حصّہ ادا کر رہا ہے اور کون محض تماشائی بنا بیٹھا ہے: ''اگر چہ تمھارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا،

لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے، اس میں وہ تمھاری آزمایش کرے''۔(المائدہ ۵:۴۸)

جب امتحانات گزر جائیں گے اور پورا انعام اور ثواب وصول ہوجائے گا تو انسان ان تمام سختیوں کو بھول جائے گا جو اس نے جھیلیں تھیں۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن اہل جنت میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جس نے دنیا میں انتہائی تکلیف دہ زندگی گزاری تھی۔ اس کو جنت میں ایک بار ڈبکی دی جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے: ''اے ابن آدم، کیا تم نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی؟ کیا تم کبھی کسی پریشانی سے گزرے؟'' وہ جواب دے گا کہ نہیں اللہ کی قسم! میں نے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں دیکھی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امتحانِ زندگی میں کامیاب کرے۔ آمین!

● **مقصد زندگی:** قرآن میں اللہ تعالیٰ ہم سے سوال کرتا ہے: ''بھلا کیا تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ہم نے تمھیں یوں ہی بے مقصد پیدا کر دیا، اور تمھیں واپس ہمارے پاس نہیں لایا جائے گا؟ تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے، اس کی شان اس سے اونچی ہے (کہ وہ بے مقصد کچھ بنائے)، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرشِ بزرگ کا مالک ہے''۔(المومنون ۲۳:۱۱۵)

ایسی زندگی جس کا کوئی مقصد نہ ہو یوں ہی ہے جیسے ایک جسم ہو جس میں روح نہ ہو، یا ایک قافلہ ہو جس کی کوئی منزل نہ ہو۔ لیکن اللہ نے تو ہمیں بھٹکنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ ہماری زندگیاں ایک خوب صورت معنی خیز مقصد کی حامل ہیں جو جب ایک مرتبہ واضح ہوجائے تو بہت ساری الجھنیں دور ہوجاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بارہا ذکر کرتا ہے کہ اس کی کوئی بھی مخلوق بے مقصد پیدا نہیں کی گئی: ''ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنایا ہے۔ اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے اور بس یہی کچھ ہمیں کرنا ہوتا تو اپنے ہی پاس سے کر لیتے'' (الانبیاء ۲۱:۱۶-۱۷)۔ یہی مضمون سورۂ حجر ۱۵:۸۵-۸۶، سورۂ یونس ۱۰:۵ اور سورۂ دخان ۴۴:۳۸-۳۹ میں بھی بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے اردگرد جو کچھ ہے، سب ایک نہایت گہرا اور پاکیزہ مقصد رکھتے ہیں: ''ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے

درمیان ہیں برحق، اور ایک مدتِ خاص کے تعین کے ساتھ پیدا کیا ہے'' (الاحقاف ۴۶:۳)۔

پس، وہ مقصد کیا ہے اور انسانی زندگی پر کیسے اثرات چھوڑتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ''اُس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے'' (الملک ۶۷:۲)۔ ہم اس دنیا میں اس لیے آئے ہیں تاکہ ہم آزمائے جائیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہی ہمارا رب ہے۔ لہٰذا اللہ ہمیں آزما کر دیکھتے ہیں کہ ہم کس حد تک اپنے رب کے وفادار ہیں؟ پھر ہماری وفاداری کے بدلے میں بطور انعام ہمیں جنت ملے گی۔ یہ دراصل ایک سودا ہے: دنیا کی فانی زندگی اللہ کی مرضی کے مطابق، پھر آخرت کی ہمیشگی کی زندگی ہماری مرضی کے مطابق۔

اب امتحان میں کامیابی کی کیا صورت ہے؟

انفرادی سطح پر کامیابی اللہ کی عبادت سے حاصل ہوگی۔ اللہ کا ارشاد ہے: ''میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں'' (الذاریات ۵۱:۵۶)۔ مگر اللہ کی عبادت کس چیز کو کہتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کا ہر کام عبادت ہے، بشرطیکہ وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو اور اس کے پسندیدہ طریقے کے مطابق ہو۔ بلاشبہہ جو روحانی عبادات اللہ نے ہم پر فرض کی ہیں وہ نہایت اہم پیغامات اور یاددہانیوں کی حامل ہیں اور ان کی ادائیگی ہم پر لازم ہے۔ البتہ اس کے علاوہ اگر ایک مسلمان دیانت داری کے ساتھ اللہ کے احکام پر چلتے ہوئے اپنا کاروبار کر رہا ہو، اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے رزق حلال کما رہا ہے، تو اس کا کمانا عبادت ہے۔ اگر وہ پڑھائی کر رہا ہو اس نیت سے کہ آگے جا کر وہ اس کے اور دوسروں کے کام آئے اور اس سلسلے میں وہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بھی بچا رہے، تو وہ اللہ کی عبادت کر رہا ہے۔ اگر وہ اپنے گھر میں ہو اور اپنے گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کر رہا ہو، تو وہ اللہ کی عبادت کر رہا ہے۔ اگر وہ میدان جنگ میں ہو اور اپنے دین اور بھائی بہنوں کی حفاظت کے لیے لڑ رہا ہو تو وہ اللہ کی عبادت میں ہے۔

البتہ چونکہ ہم پر پہلا اور آخری حق اللہ کا ہے، لہٰذا اگر ہمیں کبھی ایسی صورتِ حال پیش

آئے جس میں ایک طرف اللہ کی خوش نودی ہو اور دوسری طرف اس کی ناراضی، تو ہم ہمیشہ اللہ کی خوش نودی پر ہی چلیں گے۔

دوسری طرف اجتماعی سطح پر ہمارے بارے میں یہ فرمایا گیا: ''اب دُنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' (اٰل عمرٰن ۳:۱۱۰)۔

بحیثیت امت ہمارا فرض ہے کہ ہم حق کو قائم کریں اور باطل کو مٹائیں۔ اس کے لیے ہم سب سے پہلے اپنی ذات سے شروع کرتے ہیں، پھر اپنے گھر کی طرف بڑھتے ہیں اور اس کے بعد جہاں تک ہمارا دائرہ اثر جاسکے۔ ایک مسلمان کی زندگی دنیائے فانی کی اشیاء کے ساتھ بندھی نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ اپنے رب کی محبت میں اور جنت پانے کے لیے جیتا ہے۔ پھر جب اس دنیا میں اپنی مدت پوری کر کے وہ آخرت کی طرف منتقل ہوجائے گا تو وہ جنت میں بیٹھ کر اپنی پچھلی زندگی کو اس کے تمام راحت اور غم سمیت یاد کر کے کہے گا: ''ہم پہلے جب اپنے گھر والوں (یعنی دنیا) میں تھے تو ڈرے سہمے رہتے تھے۔ آخر اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا اور ہمیں جھلسانے والی ہوا کے عذاب سے بچالیا۔ ہم اس سے پہلے اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی ہے جو بڑا محسن، بڑا مہربان ہے''۔ (الطور ۵۲:۲۶-۲۸)

● **قرآن کا تصورِ خدا**: جب انسان کو اللہ تعالیٰ کا درست تصور حاصل ہوجائے اس کو بے حد سکون اور اطمینان ملتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی کھویا ہوا جگری دوست دوبارہ مل گیا ہو۔ مختلف مذاہب کے الگ تصورِ خدا رہے ہیں جو فرق رکھنے کے باوجود کچھ باتوں میں مماثلت بھی رکھتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن نے خدا کے بارے میں کس طرح کا تصور پیش کیا ہے؟

قرآن ہمارا تعارف اللہ تعالیٰ سے کرواتا ہے، ایک ایسی ذات جو اپنی ہر مخلوق سے گہری دل چسپی رکھتی ہے۔ وہ محض ہمارا خالق نہیں ہے، بلکہ وہ ہمیں پرورش اور ہدایت دینے والا بھی ہے: ''جس نے سب کچھ بنایا اور ٹھیک ٹھیک بنایا۔ اور جس نے ہر چیز کو ایک خاص انداز دیا پھر راستہ بتایا'' (الاعلیٰ ۸۷:۲-۳)۔ جب اس نے اپنی مخلوق کو اس دنیا میں بھیجا تو انھیں مختلف صلاحیتوں اور قابلیتوں سے نواز کر بھیجا۔ البتہ اس کے ساتھ ان کو تسلی بھی دی کہ وہ انھیں کبھی بے یار و مددگار

بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑے گا بلکہ وہ ان کی رہنمائی کے لیے اپنے پیغمبروں اور کتابوں کو بھیجتا رہے گا تاکہ وہ انھیں سکھائیں کہ جو قوتیں اور صلاحیتیں ان کے پاس ہیں انھیں کس طرح استعمال کیا جائے: ''پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمھارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اُس ہدایت کی پیروی کریں گے، اُن کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا'' (البقرہ ۲:۳۸)۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم دنیا اور آخرت میں سکون اور سلامتی کے ساتھ رہیں: ''اور اللہ انھیں سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے'' (یونس ۱۰:۲۵)۔

چاہے ہمارے انفرادی درجے کے معاملات ہوں یا اجتماعی، اللہ تعالیٰ سب میں دل چسپی رکھتے ہیں اور پوری محبت کے ساتھ اپنے بندوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ پس قرآن میں ہم اللہ تعالیٰ کو تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق مسائل کو حل کرتے دیکھتے ہیں جیسے حکومت، عدالت، صلح اور جنگ، میراث (النساء ۴:۱۱-۱۲)، رضاعی رشتے، محفل کے آداب (المجادلہ ۵۸: ۸-۱۱)، معاشی معاملات کے اصول، اور شوہر اور بیوی کی آپس کی محبت کو قائم رکھنے کے طریقے: ''اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اُسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو'' (النساء ۴:۱۹)۔ قرآن پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کوئی بے لوث دوست، کوئی شفیق استاد یا ایک مشفق والد ہم سے مخاطب ہے۔

قرآن میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو متحد رہنے پر ابھارتا ہے اور تفرقہ میں پڑنے سے منع کرتا ہے (اٰل عمرٰن ۳:۱۰۳)۔ اس کو یہ فکر رہتی ہے کہ کہیں اس کے بندوں میں ظلم اور فحاشی نہ پھیل جائے۔ وہ ہمارے ازلی دشمن شیطان سے ہمیں متنبہ کرتا ہے اور اس سے، اس کے ساتھیوں سے اور ان کی چالوں سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ اللہ ہم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات بھی ہمیں سناتا ہے تاکہ ہمارے دل مضبوط ہوں اور ہماری ہمت افزائی ہو: ''اور اے نبیؐ! یہ پیغمبروں کے قصّے جو ہم تمھیں سناتے ہیں، یہ وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے سے ہم تمھارے دل کو مضبوط کرتے ہیں'' (ھود: ۱۱:۱۲۰)۔ بعض اوقات وہ پیار بھرے انداز میں ٹوکتا اور سرزنش بھی کرتا ہے: ''جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اُسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے؟'' (النور ۲۴:۱۲)۔ وہ ہماری

کوتاہیوں کا تجزیہ کرتا ہے اور جہاں ضرورت ہو ہماری اصلاح کرتا ہے (اٰل عمرٰن ۳:۱۵۲)۔

قرآن کریم ایسے ربِّ جلیل سے ہمارا تعارف کرواتا ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جس کے لیے کچھ ناممکن نہیں۔ زمین اور آسمان کے خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ مگر سب سے زیادہ طاقت ور ہونے کے ساتھ وہ سب سے زیادہ حکمت اور دانائی والا بھی ہے: ''اللہ زبردست اور حکیم ہے'' (النساء ۴:۱۵۸)۔ ہم دنیا میں اپنے اردگرد مستقل تبدیلیاں ہوتے دیکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ہمیں کبھی خوف اور پریشانی بھی لاحق ہوجاتی ہے۔ لیکن قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اول تو ہر چیز اس کی اجازت سے ہی ہوتی ہے، اور دوم یہ کہ حالات کبھی ایک جیسے نہیں رہتے ہیں: ''یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں'' (اٰل عمرٰن ۳:۱۴۰)۔ پس اللہ جس کو چاہتا ہے عزت اور طاقت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ وہ اندھیروں میں سے روشنی اور روشنی میں سے اندھیرا نکالتا ہے۔ وہ زندوں کو موت اور مردوں کو زندگی بخشتا ہے۔ مگر اس کا کوئی بھی فعل چاہے جس بھی پیمانے پر ہو بے مقصد نہیں ہوتا ہے، بلکہ ''تیرے ہی لیے سراسر خیر ہی خیر ہوتا ہے، اس لیے کہ: ''بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تُو ہر چیز پر قادر ہے'' (اٰل عمرٰن ۳:۲۶)۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ اپنی محبت اور حکمت میں اپنی بعض مخلوق کو دیگر مخلوقات کے فائدہ اور حفاظت کے لیے متعین کرتا ہے۔ اس کی باریک اور بے عیب تدبیروں کی ایک جھلک ہمیں حضرت موسیٰ اور خضر علیہم السلام کے واقعے میں ملتی ہے۔ غریب ملاح اپنی کشتی میں سوراخ دیکھ کر حیران و پریشان رہ گئے ہوں گے۔ والدین اپنے بیٹے کی موت پر غم سے نڈھال ہوگئے ہوں گے۔ یتیم بچوں کی سمجھ میں نہیں آرہا ہوگا کہ یہ پردیسی دیوار کیوں تعمیر کررہے ہیں؟ مگر درحقیقت اللہ ملاحوں کے وسیلۂ روزگار کو چھن جانے سے بچا رہے تھے، والدین کو بڑھاپے میں ذلت اٹھانے سے محفوظ رکھ رہے تھے، اور یتیم بچوں کے لیے باپ کی میراث کی حفاظت کا انتظام کررہے تھے۔ جب انسان کا ایسے پیارے رب پر ایمان ہو تو وہ کیوں نہ پکار اٹھے: ''کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسا نہ رکھیں، جب کہ اس نے ہمیں ہماری راہیں سمجھائی ہیں!'' (ابراہیم ۱۴:۱۲)

قرآن میں اللہ اپنے بندوں کو ترغیب دلاتا ہے کہ وہ ہمیشہ حق کے لیے کھڑے ہوں اور

باطل کا کبھی ساتھ نہ دیں۔ پھر جب اس کے بندے واقعی حق اور باطل کی کش مکش میں اترتے ہیں تو وہ محض تماشائی نہیں بنا رہتا ہے بلکہ وہ اپنے بندوں کو حوصلہ دلاتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہے: ''ڈرو نہیں، میں تمھارے ساتھ ہوں، سن بھی رہا ہوں، دیکھ بھی رہا ہوں'' (طٰہٰ ۲۰:۴۶)۔

وہ ان کو تسلی دیتا ہے: ''اگر تمھیں ایک زخم لگا ہے، تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے'' (اٰل عمرٰن ۳:۱۴۰)۔ وہ ان کی ہمت کو بڑھاتا ہے: ''دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو'' (اٰل عمرٰن ۳:۱۳۹)، بلکہ بعض اوقات حق کو باطل سے ممیز کرنے کے لیے وہ دونوں کو آپس میں ٹکراتا ہے۔ پھر جیسے ہی باطل کا کمزور ڈھانچا زمین بوس ہوجاتا ہے، حق ہر ایک کے لیے واضح ہوکر سامنے آجاتا ہے: ''سوجھاگ تو سوکھ کر زائل ہوجاتا ہے، اور جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھیرا رہتا ہے۔ اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے'' (الرعد ۱۳:۱۷)۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ باوجود اس کے کہ اللہ بے نیاز ہے اور اس کو کسی کی ضرورت نہیں ہے، وہ اپنی مخلوق کی کوششوں کی بے حد قدر کرتا ہے: ''اللہ بڑا قدردان ہے، اور سب کے حالات کا پوری طرح علم رکھنے والا ہے'' (النساء ۴:۱۴۷)۔ وہ کسی کی ادنیٰ سی نیکی کرنے کوشش کو بھی ضائع ہونے نہیں دیتا: ''اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا'' (ھود ۱۱:۱۱۵)۔ وہ ہر ایک کو انصاف دلاتا ہے، پس اسی لیے اس نے آخرت کی زندگی بھی رکھی کیونکہ اس محدود دنیا میں اکثر انسان عادلانہ جزا اور سزا سے محروم رہ جاتا ہے: ''روز جزا کا مالک'' (الفاتحہ ۱:۴)۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ کی ذات سب سے عظیم ہے، مگر اس کی کوئی بھی مخلوق، چاہے کتنی ہی چھوٹی اور غیر معروف ہو، کبھی اس کی نظر سے اوجھل نہیں رہتی ہے۔ وہ ہمیشہ ہر ایک کی بات کو سننے کے لیے موجود ہوتا ہے: ''بے شک میرا رب قریب ہے اور وہ دُعاؤں کا جواب دینے والا ہے'' (ھود ۱۱:۶۱)۔ ''بے شک میرا رب دعاؤں کا سننے والا ہے'' (ابراھیم ۱۴:۳۹)۔ یہ خدشہ کبھی نہیں ہوتا کہ کہیں وہ تھک کر غفلت میں پڑ جائے۔ اس لیے کہ: ''اس کو نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند'' (البقرہ ۲:۲۵۵)۔

یہ ہے وہ تصورِ خدا جو انسان کو اپنے رب کی محبت اور اس پر مان اور فخر دلاتا ہے۔ ایسا تصورِ خدا مسلمان کو وہ ہمت اور عزم دیتا ہے کہ وہ اپنے رب کے لیے سینہ تان کر کھڑا ہو، اس کی

خاطر قربانیاں دے اور پورے اعتماد کے ساتھ کہے: ''اور ہم اللہ پر اور جو حق ہمارے پاس آ گیا ہے اس پر آخر کیوں نہ ایمان لائیں؟ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل کر دے گا'' (المائدہ ۵:۸۴)۔

اللہ کو جاننا، اس کو چاہنا اور اس سے قریب ہونے سے ہی دل پُرسکون اور مضبوط ہوتے ہیں۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بے شک دل میں ایک ویرانی ہے جو صرف اللہ کی معیت سے آباد ہوتی ہے۔ اور اس میں ایک غم ہے جو صرف اس کو جاننے کی خوشی سے دور ہوتا ہے۔ اور اس میں ایک بے چینی ہے جو صرف اس کی طرف لپکنے سے قرار پاسکتی ہے۔ اور اس میں حسرتوں کی ایک آگ ہے جو صرف اس کے فیصلوں اور احکامات پر راضی ہونے اور صبر کرنے سے بجھ سکتی ہے۔ اور اس میں ایک خلا ہے جو صرف اس کی محبت، اس کی یاد اور اس کے ساتھ مخلص ہونے سے پُر ہوتی ہے۔ اور اگر انسان کو (اس کے بجائے) پوری دنیا بھی مل جائے تو وہ خلا کبھی پر نہیں ہوگا۔